اردو کی چند مختصر داستانیں: ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر فہمیدہ تبسم، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، وفاقی جامعہ اردو اسلام آباد

ABSTRACT

Though presences of great and massive classical tales like dastan e Ameer Hamza and Bostan e Khayal in world of urdu dastan there is now ~~scarcity~~scarcity of those tale which even being shorter complete all the requirements of dastan . Reading these stories take us the era of classical story writing when dastan was a prominent aspect of literature. This article contain research of those capable tales (dastans) which are eye catching and also open new doors of opportunities being an important aspect of literature.

اردو داستان کے دامن میں جہاں بوستانِ خیال اور داستان امیر حمزہ جیسی طویل داستانیں موجود ہیں وہاں مختصر ضخامت کی حامل داستانوں کی تعداد کی بھی کمی نہیں جن میں واقعات کی کثرت نہ ہونے کے باوجود داستان اور قصے کی تمام تر خصوصیات موجود ہیں۔ یہ مختصر داستانیں اگرچہ اپنے اندر داستان کی مخصوص فضا کو برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن غیر محسوس طریقے پر زمانے کے بدلتے ہوئے رجحان کی ترجمانی بھی کرتی ہیں جس میں مختصر نویسی ایک اہم میلان کی صورت میں سامنے آرہی تھیں۔ اردو کی یہ مختصر داستانیں اپنی اہمیت کے اعتبار سے داستانوی ادب میں نمایاں مقام کی حامل ہیں اور آج تک قارئین ادب کے لیے توجہ کا مرکز ہیں۔

ان داستانوں میں میر بہادر علی حسینی کی نثر بے نظیر ایسی داستان ہے جو میر حسن کی معروف مثنوی سحر البیان کی نثری صورت ہے اور اسے مثنوی سحر البیان کی نثری تلخیص کہا جا سکتا ہے۔ اس داستان میں میر حسن دہلوی کی تحریر کے سحر کی فضا نہیں۔ عبارت میں سلاست اور روانی کی وہ کیفیت بھی نہیں جو مثنوی سحر البیان کا خاصا ہے، تحریر میں پیچیدگی اور تصنع کے عکس جھلکتے ہیں۔ اگرچہ بعض مقامات پر سادہ بیانی کے مظاہرے بھی نظر آتے ہیں لیکن فورٹ ولیم کالج کے چیف منشی میر بہادر علی حسینی کا اسلوب نگارش میر امن دہلوی سے یکسر مختلف ہے۔ میر امن کے عہد نو کا باب اول اور میر بہادر علی حسینی گزرتے ہوئے عہد کی آواز محسوس ہوتے ہیں۔ نثر بے نظیر ایک رومانی داستان ہے جس میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کی داستان محبت بیان کی گئی ہے۔ اس رومانی داستان میں داستان کی تمام تر خوبیاں موجود ہیں۔ ابتداء سے انتہا تک داستان ~~ن~~ کے روایت کے لوازمات موجود ہیں۔ عشق و محبت کی گرم بازاری، رقیب کی رقابت، آزمائشوں، مہمات کی موجودگی اور ہجر و فراق کے دکھ جھیلنے کے بعد وصال دوست سے ہم کناری اس داستان کو ایک مکمل ہیئت عطا کرتے ہیں۔

نثر بے نظیر کے مصنف میر بہادر علی حسینی نے ۱۸۰۲ء میں اسے گل کرسٹ کے حکم کے مطابق تحریر کیا بقول حسینی: 'عاصی میر بہادر علی حسینی نے شروع قصے سے موافق محاورہ خاص کے نثر میں لکھا۔'(۱) میر بہادر علی حسینی نے سحر البیان کے منظوم قصے کی بہت فراخ دلی سے تعریف کی ہے: ' فی الواقع ہر ایک مصرع اس کا فصاحت و بلاغت میں بے نظیر ہے۔ اور ہر ایک شعر حسن و خوبی میں مثل بدر منیر۔'(۲)

نثر بے نظیر کو نثری روپ دینے والے میر بہادر علی حسینی اس داستان کے علاوہ کئی کتب کے مصنف تھے اس ضمن میں ڈاکٹر عبیدہ بیگم لکھتی ہیں:

’بہادر علی ’اخلاقِ ہندی‘ (۱۸۰۱ء)’نثرِ بے نظیر‘ (۱۸۰۲ء) اور تاریخ آشام (۱۸۰۵ء) کے مصنف تھے ان سے گل کرسٹ کی ہندوستانی زبان کی قوائد (۱۷۹۶ء)کی تلخیص بنام رسالہ گل کرسٹ بھی منسوب کی جاتی ہے۔ان تصانیف کے علاوہ بہادر علی ’ نقلیاتِ لقمانی‘ کے مترجمین اور ترجمہ قران شریف کے معاونین میں بھی شامل تھے۔‘(۳)

میر بہادر علی حسینی کے تفصیلی حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں۔حامد حسن قادری ان کے بارے میں لکھتے ہیں:’ ان کے والد کا نام سید عبداللہ کاظم ہے۔دہلی میں قیام تھا۔‘(۴)میر بہادر علی حسینی کی نثری کاوش کی اصل ادبی اہمیت مثنوی سحر البیان کے منثور خلاصے کی حیثیت سے ہے۔میر بہادر علی حسینی نے اس نثری تالیف میں مثنوی سحر البیان کے اشعار بھی خوب استعمال کیے ہیں اور عبارت میں حسن پیدا کیا ہے۔اگرچہ ہزاروں اشعار پر مشتمل مثنوی سحر البیان کے مقابلے میں اس مختصر داستان کی کوئی خاص اہمیت نہیں لیکن اپنے اختصار کے باوجود نثرِ بے نظیر مثنوی سحر البیان کی اصل کہانی کو سامنے لانے کی کامیاب کوشش ہے۔

سلک گوہر مختصر داستانوں کے قبیلے سے تعلق رکھنے والی ایسی داستان ہے جو انشاء اللہ خان انشاء کی جدت طبع اور ندرتِ فکر کا نمونہ ہے۔انشاء اللہ خان کی فکر رسا کو تجربات سے گہری رغبت تھی سو رانی کیتکی کی کہانی میں خالص ہندی رنگ بکھیرنے کے بعد انشاء نے سلگ گوہر کی صورت میں ایسا منثور تجربہ کیا جو اس سے پہلے اپنے بے نقط دیوان میں کر چکے تھے۔سلک گوہر کی غیر منقوط نثر نئے تجربات کی فضا میں انشاء کی قدرت بیان کا اظہار بھی ہے اور ان کے جذبہ خود نمائی کی علامت بھی ہے۔

سلک گوہر ایک عام سی کہانی ہے۔لیکن منقوط عبارت نہ ہونے کی وجہ سے ابلاغ میں دقت محسوس ہوتی ہے۔اس کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے انتظار حسین لکھتے ہیں:

’سید انشاء نے بے نقط نثر کا التزام کر کے اپنے آپ پر اظہار کے بہت سے رستے بند کر لیے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا قلم فراٹے سے نہیں چلتا بلکہ ایک مخصوص دائرے کے اندر گھومتا ہے۔‘(۵)

انشاء نے سلک گوہر میں مخصوص الفاظ کے ذریعے کچھ خاص کیفیت ابھاری ہیں۔رانی کیتکی میں انشاء نے جس شائستگی کا اظہار کیا سلک گوہر میں اس کے برعکس جنس کے بیان میں کوئی احتیاط روا نہیں رکھی۔لمسی اور حسی کیفیت کے لیے انہوں نے خود تخلیق کردہ ایسے الفاظ انتخاب کیا ہے جو تصویر کشی میں بخوبی استعمال ہوئی ہیں لیکن ان الفاظ کی تکرار اچھی نہیں لگتی۔

سلک گوہر میں چوں کہ انشاء کو محدود الفاظ کے ذریعے داستان نگاری کا تجربہ مقصود تھا لہذا وہ منظر نگاری کرتے ہوئے قاری کے جذبہ تجسس کو بیان کرتے ہوئے بعض الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔مثلاً’اور‘ ’وہ‘ وغیرہ۔

رانی کیتکی کی داستان کا مخطوطہ اسٹیٹ لائبریری رام پور میں ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین کے بیان کے مطابق:’ مولانا امتیاز علی عرشی نے اسے ۱۹۴۸ء میں شائع کر دیا۔‘(۶)

غیر منقوط عبارت کی وجہ سے کہانی کا پڑھنا کارِ دشوار ہے بظاہر یہ داستان اس قدر اہمیت کی حامل نہیں لیکن اپنی ہیئت کے اعتبار سے داستانوی ادب میں شمار ہوتی ہے۔اس کے پلاٹ میں آغاز و انجام کا باہمی تعلق موجود ہے اور ایک مرکز بھی ہے جس میں دو مرکزی کردار اپنی موجودگی ثابت کر رہے ہیں۔لہذا اس لحاظ سے اس کا ایک خاص درجہ ضرور ہے۔انشاء نے داستان کی ابتداء میں حسب روایت حمدیہ اور نعتیہ کلمات کے بعد اپنی اس تحریری کاوش پر خود داد و تحسین پر مبنی جملے تحریر کیے ہیں اور اپنے اس طرزِ تحریر کو سراہا ہے۔لکھتے ہیں:’واہ واہ، اودل آگاہ، اور مراد کلمہ لوارادالله، ہمسر املا، ولولہ، سلسلہ کلام کو حور آسا اور محاورہ اردو کو امرد سادہ رو کر دکھلا۔اور اسم اس کلام کا’سلک گوہر‘ رکھ، اور آ۔‘(۷)

Formatted: Font: 11 pt, Complex Script Font: 11 pt

Formatted: Justified, Right-to-left, Indent: First line: 0.5"

Formatted: Font: 11 pt, Complex Script Font: 11 pt

Formatted: Font: 11 pt, Complex Script Font: 11 pt

Formatted: Font: 11 pt, Complex Script Font: 11 pt

انشاء نے یہ کہانی نواب سعادت علی خان کے دربار سے تعلق ہونے کے دور میں لکھی۔ سلک گوہر کے ابتدائیہ میں اس کا حوالہ دیا ہے: ' اور اس حاکم عصر، مالک الرو ساو سادہ آرائ کو کر دعا، کہ عدل اس کا مرسوم، اور اسم معلا اس کا لہ السعادہ معلوم ہوا۔ ' (۸) انشاء نے اپنا نام بھی انشاء اللہ کے بجائے ارادالله لکھا ہے اور اپنے والد اور دادا کے نام بھی بغیر نقطوں کے مترادف الفاظ میں تحریر کیے ہیں۔ نواب سعادت علی خان کا نام لہ السعادہ لکھا ہے۔

سلک گوہر کا تحریر کیا جانا ایک تجربہ ضرور ہے لیکن یہ تجربہ اتنا آسان نہیں۔ اس کاوش کے لیے وسیع ذخیرہ الفاظ کا ہونا ازبس ضروری ہے اس لیے سلک گوہر کو با آسانی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ مختصر داستان اپنے مصنف کے کمال لفظی کی کہانی بھی ہے۔

کہانی رانی کیتکی اور کنور اودھے بھان کی طرح سلک گوہر میں بھی انشاء نے شادی کی تیاریوں، محل سرا کی سجاوٹ اور شاہانہ کروفر کے بیانات پر زورِ قلم خوب صرف کیا ہے لیکن بنیادی کہانی اور مرکزی کرداروں کی بناوٹ پر بھرپور داستانوی مصالحہ صرف نہیں کیا البتہ گوہر آراء کے سراپے کا بیان خوب ہے۔ سلک گوہر ایک مختصر اور انوکھی تحریر ہے جس کی کہانی روایتی ہے مگر طریقہ اظہار غیر روایتی ہے۔

قصہ اگر گل مختصر داستانوں کے قبیلے سے تعلق رکھنے والی ایک ایسی داستان ہے جس کے پس منظر میں فارسی قصہ گوئی کا مزاج جھلک رہا ہے۔ کردار نگاری کے اعتبار سے اپنے عہد کے مروجہ قصوں، کہانیوں کے برعکس یہ داستان اپنی مہمات کے لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے۔ تمام مہمات سر انجام دینے والی ہستی کوئی مرد نہیں ایک عورت ہے جو حاتم طائی اور امیر حمزہ کی طرح میدان میں نکلتی ہے۔ شاہانہ کردار کی مالک ہونے کے باوجود عملی طور پر دوسروں کی مردانہ وار مدد کرتی ہے۔

قصہ اگر گل کو فارسی اور اردو میں کئی لوگوں نے تحریر کیا ہے۔ اس قصے کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں: ' فارسی میں اس کا نام قصہ الجواہر اور شہنشاہ عادل بھی ملتا ہے۔ فارسی نسخے اٹھارویں صدی کے نصف تک ملتے ہیں۔ ' (۹) قصہ اگر گل کے اصل مصنف کا نام صیغہ راز میں ہے لیکن اردو میں اسے ترجمہ کرنے والے کا نام بھی کافی عرصہ پردہ اخفاء میں رہا۔ مطبع منشی نول کشور میں طبع ہونے والے قصہ اگر گل میں مصنف نے خود کو عاصی لکھ کر مخاطب کیا ہے۔ طبع شدہ داستان میں لفظ عاصی نمایاں کر کے شائع کیا گیا:

سراپا نوریزداں وہ شہ لولاک ہیں عاصی

میرا کیا منہ کروں، گر دعویٰ نعت وثناخوانی (۱۰)

عاصی کی وجہ سے یہ سمجھ لیا گیا کہ داستان کا اولین اردو ترجمہ کرنے والا عاصی تخلص رکھنے والا کوئی شخص ہے حالاں کہ شاعر عجز اور کسر نفسی کا اظہار کرنے کے لیے بھی خود عاصی لکھتے رہے ہیں۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا کے مرتب مشفق خواجہ نے مقدمے میں قصہ اگر گل کو سعادت علی خان ناصر کی تصنیف قرار دے کر اس راز سے پردہ اٹھایا ہے جس پر خلیل الرحمٰن دائودی نے مجلس ترقی ادب کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے قصہ اگر گل کے مقدمے میں پسِ طباعت کے عنوان سے صاد کیا ہے:

'قصہ اگر گل کی طباعت کے بعد جناب مشفق خواجہ صاحب کا مرتبہ تذکرہ خوش معرکہ زیبا، تالیف سعادت علی خان ناصر برائے طباعت مجلس ترقی ادب میں موصول ہوا۔ اس کے مطالعے سے واضح ہوا کہ مذکورہ داستان ' اگر گل' سعادت علی خان ناصر کی تالیف ہے۔ (۱۱)

اس حقیقت کی گواہی قصہ اگر گل کے آخری صفحے پر درج سعادت خان ناصر کا یہ شعر ہے جس میں ان کا تخلص استعمال ہوا ہے:

الٰہی بحق شہ انبیا

تو کہ عفو ناصر کے جرم وخطا (۱۲)

Formatted: Right-to-left

Formatted: Justified, Right-to-left, Indent: First line: 0.5"

Formatted: Font: 11 pt, Complex Script Font: 11 pt

Formatted: Justified, Right-to-left

Formatted: Right-to-left

Formatted: Centered, Right-to-left

قصہ اگر گل داستان کے مروجہ سانچے میں ڈھلے ہوئے کرداروں کی کہانی ہے جس کا اندازِ نگارش مقفیٰ و مسجع ہے۔ اس میں بر محل اشعار کا افسانہ عبارت کو خوبصورت روپ عطا کرتا ہے۔ کہانی اگرچہ پر پیچ ہے اور قاری کی توجہ بھٹک جاتی ہے لیکن اس بنا پر دلچسپی کی حامل ہے کہ کہانی پر مکمل دسترس ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔

قصہ اگر گل کے سنہ ترجمہ کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں: ' یہ ۱۸۴۶ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔'(۱۳) سعادت خان ناصر کے حالاتِ زندگی کے بارے میں زیادہ تفاصیل دستیاب نہیں۔ ناصر بجنور کے رہنے والے تھے لکھنؤ میں وفات پائی لیکن بقول مشفق خاجہ: ' ہمارے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ناصر کا صحیح سنہ پیدائش معلوم کیا جاسکے۔ ہمارے پاس یہ جاننے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ناصر کی وفات کب ہوئی۔(۱۴)

سعادت خان ناصر کو شعر و سخن سے گہری رغبت تھی اس کا اظہار ان کی تصانیف تراجم و تالیفات سے ہوتا ہے جو ان سے منسوب ہیں۔ مثلاً قصہ اگر گل، مثنوی وبیان عقائد، مثنوی شمۂ فضائل، ترجمہ روضتہ اسیر، ترجمہ حیاتِ القلوب، واسوخت ناصر، قطعات تاریخ، قصائد، دیوانِ ناصر اور تذکرہ خوش معرکہ زیبا۔

قصہ اگر گل اردو داستان کی دنیا میں نمایاں مقام کا حامل نہیں۔ ایک عام سی داستان ہے جس میں اس قدر روایت شکنی کی گئی ہے کہ ایک عورت کو مردانہ پن عطا کر کے اس سے محیر العقول کارنامے سرزد کروادیے گئے ہیں۔ لیکن اتنی مہمات سر انجام دینے کے باوجود 'اگر' کا کردار اردو داستان کے مرکزی نسوانی کرداروں پر حاوی نہیں ہے کیوں کہ صرف فعالیت ہی مرکزی کردار کا خاصا نہیں۔ مجموعی اعتبار سے قصہ اگر گل اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں داستان نگاری کے لوازم موجود ہیں اور پلاٹ کی ترکیب داستان کی ہے۔

قصہ بہرام گور بھی ایسے ہی قصوں کی فہرست میں شامل ہے۔ جس میں اختصار کے باوجود ایک مکمل کہانی پائی جاتی ہے۔ قصہ بہرام گور کے اصل ماخذ کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں کہی جاسکتی۔ اس قصے کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند نے لکھا ہے: ' فارسی، دکنی، اردو اور شمالی ہند میں اسے کئی اہلِ قلم نے لکھا ہے۔'(۱۵) خود فرخندہ علی رضوی نے بھی فارسی قصے سے اردو ترجمہ کرنے کا اعتراف کیا ہے:

' قصہ بہرام گور کا عبارت فارسی مین مشہور تھا چوں کہ اس عرصہ مین توجہ ابنائے روز کا ر عبارت فارسی کی طرف مطلق نہین اور غیر از فکر بلا وجہی کچھ اونکا سبق نہین البتہ زبان اردو پسند خاطر ہے۔۔۔پر حسن رضوی صاحب مطبع حسینی نے کہ قدر سخن رتبہ شناس ہر فن ہین بندہ سے ارشاد کیا کہ اگر تو اس قصہ کو زبان اردو مین کرے تو خالی از لطف نہین۔۔۔اس امر کو فخر سعادت سمجھ کر چند خرافات بقید تسلیم لایا۔'(۱۶)

قصہ بہرام گور سادہ وروان عبارت میں تحریر ہے۔ اس کا اسلوب نگارش پیچیدہ پیچیدہ و گنجلک نہیں ہے۔ صاحب ترجمہ نے اپنی طرف سے داستان کی آرائش اور لفاظی پر توجہ مرکوز نہیں کی بلکہ قصے کو اصل صورت میں فارسی سے اردو میں منتقل کر دیا۔

قصہ بہرام گور مختصر مگر دل چسپ داستان ہے جو فارس کے بادشاہ بہرام گور اور حسن بانو پری کے معاشقے کی روداد ہے۔ قصہ بہرام گور کے سنِ تالیف وطباعت کے بارے میں ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

' کتاب کے اختتام پر تین قطعات تاریخ طباعت مصنف کے احباب کے کہے ہوئے درج ہیں۔ ان سے ۱۲۶۱ھ نکلتا ہے۔ اس داستان کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ عالیہ رام پور میں محفوظ ہے جو ۱۲۶۱ھ سے قبل کا تحریر کیا ہوا ہے۔'(۱۷)

قصہ بہرام گور کے مترجم فرخندہ علی رضوی کی اہم یادگار یہ مختصر سی داستان ہے جو ضخیم داستانوں کے عہد زوال کی نشان دہی کرتی ہے۔ زمانے کے بدلتے رجحان نے نہ صرف فارسی سے اردو کی طرف انتقال کیا بلکہ داستان نگاروں میں مختصر نویسی کی طرح ڈالی۔ یہ الگ بات کہ داستان کی ہیئت میں انقلابی تبدیلیاں جنم نہ لے سکیں اور یہ عظیم صنف ماضی کی یادگار بن کر رہ گئی مگر قصہ قصہ بہرام گور جیسی مختصر داستانیں اپنی کم ضخامت کے باوجود نہ صرفڑف فنِ داستان گوئی و داستان نگاری کے تقاضے پورے کرتی ہیں بلکہ فارسی ادب کی مختصر نویسی کا اظہار بھی ہیں اور فارسی نثری ادب کی ہمہ گیری کا اعتراف بھی ہیں۔

قصہ مہر وماہ کا تذکرہ اردو داستان کے نایاب نسخوں میں ہوتا ہے اس قصے کو اولاً حیدر بخش حیدری نے تحریر کیا لیکن وہ نسخہ اب دستیاب نہیں ہے۔ اردو کے اس اہم قصے کو صرف حیدر بخش حیدری کے حوالے سے زیرِ بحث لایا گیا اور پھر اسے نایاب قرار دے کر داستان کے محققین نے اس قصے کے کسی دوسرے ترجمے یا نسخے پر توجہ مرکوز نہ کی حالاں کہ حیدر بخش حیدری کے علاوہ درگاہ پرشاد نادر نے بھی اسی قصے کو فارسی سے ترجمہ کیا ہے۔ گو کہ خود درگا پرشاد نادر نے قصے کے سبب تالیف میں کہیں بھی اس امر کا اشارہ نہیں دیا کہ انہوں نے یہ قصہ خود اختراع کیا ہے یا فارسی سے ترجمہ شدہ ہے۔ بلکہ اپنے چچازاد بھائی کی المناک وفات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

’ کہ یہ نوبادہ جوانی میرا حقیقی بہائی نہتا۔ مگر مین اس کو بہت ہی عزیز رکھتا تھا۔ چناں چہ فارسی زبان کی اکثر کتابیں ابتداء میں اسکیے نام پر لکھی ہین۔ اب اسکی وفات ناگہانی کی یادگاری بھی ضروری سمجھکر یہ قصہ لکھا گیا۔‘(۱۸)

لیکن ڈاکٹر گیان چند اس قصے کے فارسی نسخے کے بارے میں لکھتے ہیں::

’ برٹش میوزیم میں فارسی کے دو مخطوطات ہیں جن میں سے ایک پانی پت میں ۱۱۷۴ھ ۶۰۔۱۸۵۹ء میں تحریر کیا گیا۔ فارسی قصے میں شاہزادی ماہ اور خاور شاہ کے بیٹے مہر کے عشق کی داستان ہے۔‘ (۱۹)

درگاہ پرشاد نادر کے قصہ مہر وماہ میں خاور شاہ کے بیٹے مہر اور شہزادی ماہ کی داستانِ محبت ہی بیان کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے درگاہ پرشاد نادر نے اس قصے کے فارسی نسخے سے استفادہ کیا ہو اور حیدر بخش حیدری نے جس قصہ مہر وماہ کا ترجمہ کیا وہ بھی اسی فارسی قصے سے ماخوذ ہو اس داستان کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے کہ حیدر بخش حیدری کا ترجمہ کردہ نسخہ نایاب ہو کر بھی ایک نئی صورت میں اردو داستان کی دنیا میں موجود ہے۔ اگر درگا پرشاد نادر نے فارسی ماخذ سے استفادہ نہیں کیا تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں قصقصہ مہر وماہ ایک معروف اور زبان زد عام قصہ ہو گا جسے درگا پرشاد نادر نے اردو زبان میں تحریری صورت دی۔ اس سے پہلے ایسی ہی کوشش حیدر بخش حیدری نے بھی کی ہو گی۔ لیکن بنیادی طور پر قصہ مہر وماہ کا پلاٹ اور کردار ایک سے ہیں اور یہ بات اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ قصہ مہر وماہ اردو داستان میں موجود ہے اور نایاب نہیں ہے۔

قصے کا سنِ تالیف تاریخی ہے۔ درگاہ پرشاد نے اپنے نومولود بیٹے کی وفات کے حوالے سے اس کی تاریخ دائرے میں نکالی ہے جس کی صورت یوں بیان کی گئی ہے۔ ’ دائرہ چہاردہ خانہ مسمی بہ۔ یادگار اختلال۔‘ (۲۰) ۱۲۹۸ھ میں تحریر ہونے والی اس داستان میں عشق و محبت کی روایتی کہانی بیان کی گئی ہے۔ داستان کا اسلوب عام فہم ہے۔ مصنف نے اختصار سے کام لیا ہے اور کہانی کو طول دینے سے گریز کا طرزِ عمل واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ قصہ مہر وماہ کا مطالعہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس کی موجودگی سے اردو داستان کی ایک گم شدہ کڑی کی دستیابی کا خوشگوار احساس بیدار ہوتا ہے۔

قصہ مہر وماہ کے مؤلف درگا پرشاد نادر دہلی کے رہنے والے تھے۔ مطبع سرکار سرشتہ تعلیم پنجاب میں ہیڈ اگزامینر رہے۔ شاعری سے شغف تھا اور تذکرہ نگار بھی تھے۔ تذکرہ چمن انداز ان ہی کا تالیف کردہ ہے۔ فارسی میں بھی کتب تحریر کیں۔

Formatted: Justified, Right-to-left, Indent: First line: 0.5"

Formatted: Justified, Right-to-left

قصہ مہر وماہ میں ہر باب کو داستان کا نام دیا گیا حالاں کہ ایک ہی کہانی کی مختلف منزلیں ہیں۔ مختلف واقعات کی تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔ قصہ مہر وماہ ایک عام روایتی قصہ ہے اس میں درگا پرشاد نادر نے اپنے ذاتی اشعار کا حوالہ بھی دیا ہے جو بعض مقامات پر بے محل محسوس ہوتا ہے۔ اس قصے کی اصل اہمیت مہر وماہ کی اس داستان کی وجہ سے ہے جو حیدر بخش حیدری سے منسوب ہے۔

اردو کی یہ مختصر نثری داستانیں جہاں اپنے زمانے کے ادبی رجحان کی ترجمان ہیں وہیں فنِ قصہ نگاری کے تمام لوازمات بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ان داستانوں کا مطالعہ ہمیں اس مخصوص داستانوی دور میں لے جاتا ہے جہاں داستان نمایاں ترین صنفِ سخن کی حیثیت سے تمام اصناف ادب پر حاوی تھی۔

حوالہ جات

۱۔ میر بہادر علی حسینی، ابتدائیہ نثر بے نظیر، شائع کردہ کالج پریس کلکتہ، بارِ سوم، ۱۸۷۰ء، ص ۳

۲۔ میر بہادر علی حسینی، ابتدائیہ نثر بے نظیر، شائع کردہ کالج پریس کلکتہ، بارِ سوم، ۱۸۷۰ء۔ ص ۲

۳۔ عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، نصرت پبلشرز لکھنؤ، بارِ اول، ۱۹۸۳ء، ص ۱۰۹

۴۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۴

۵۔ انتظار حسین، انشا کی دو کہانیاں (رانی کیتکی و سلک گوہر)، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۳۷

۶۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، انجمن ترقی اردو، کراچی، اشاعت ثانی، ۱۹۶۹ء، ص ۲۵۱

۷۔ انشاء، انشاء اللہ خان، سلک گوہر، مرتبہ انتظار حسین، انشاء کی دو کہانیاں (رانی کیتکی و سلک گوہر)، ص ۹۴

۸۔ انشاء، انشاء اللہ خان، سلک گوہر، مرتبہ انتظار حسین، انشاء کی دو کہانیاں (رانی کیتکی و سلک گوہر)، ص ۹۴

۹۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، ص ۳۹۸

۱۰۔ ناصر، سعادت خان، قصہ اگر گل، مطبع منشی نول کشور، سن ندارد، ص ۲

۱۱۔ خلیل الرحمٰن دائودی، مرتب، قصہ اگر گل، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، جنوری ۱۹۶۷ء، ص ۲۵

۱۲۔ ناصر، سعادت خان، قصہ اگر گل، مرتبہ خلیل الرحمٰن دائودی، ص ۱۹۰

۱۳۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، ص ۳۹۷

۱۴۔ مشفق خواجہ، مقدمہ، تذکرہ خوش معرکہ، (سعادت خان ناصر، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۰ء)، ص ۱۷

۱۵۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، ص ۳۹۷

۱۶۔ رضوی، فرخندہ علی، دیباچہ، قصہ بہرام گور، مطبع فیض حسینی، دہلی، ۱۸۸۵ء، ص ۲

۱۷۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو داستان، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول مارچ ۱۹۸۷ء، ص ۲۰۸

۱۸۔ نادر، درگا پرشاد، قصہ مہر وماہ، مطبع مظہر العجائب، بہ اہتمام مظہر علی، دہلی، سند ندارد، ص ۲

۱۹۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، ص ۲۰۱

۲۰۔ نادر، درگا پرشاد، قصہ مہر وماہ، ص ۴۹